سیاسی بل کا پس منظر

طبع بمناسبت

ملی پارلیامنٹ کا سہ ماہی اجلاس

۱۴-۱۵ جنوری ۱۹۹۶

شری کرشن میموریل ہال پٹنہ

مسلم سیاسی بل کا پس منظر

تلخ سیاسی حقائق:۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کوئی بیس کروڑ ہے جو مجموعی آبادی کا تقریبا بائیس اعشاریہ دو فیصد (۲۲٫۲) ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب تاریخی مذاق ہے کہ اتنی بڑی عددی قوت کو ایک بے بس اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ جس کا ملک کے معاملات میں عملی طور پر عمل دخل صفر کے برابر ہے۔ سیاسی طور پر اگر ان کی کوئی اہمیت ہے تو صرف اتنی کہ الیکشن کے وقت وعدوں کے سبز باغ دکھا کر مختلف سیاسی پارٹیاں ان کا استحصال کرتی رہیں۔ گزشتہ پچاس سالوں سے بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو محض ایک ووٹ بینک کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ کبھی ڈرا دھمکا کر، کبھی فسادات کا ہوا کھڑا کر کے، کبھی جان و مال کے اتلاف کا عملی ڈرامہ رچا کر اور کبھی وعدوں کے سبز باغ دکھا کر سیاسی پارٹیوں نے اس امت کو اپنا دست نگر بنا رکھا ہے۔ باور یہ کرایا گیا کہ اس ملک میں تم اقلیت میں ہو۔ تم نے پاکستان بنا کر اپنا حصہ پالیا ہے۔ اب بھلا تمہارا اس ملک میں کیا رول ہو سکتا ہے۔ بس یہی کہ خاموشی سے جئے جاؤ اور اس طرح جیو جس طرح ہم جینے دیں۔ حالانکہ اعداد و شمار کی عملی قوت اس کے برعکس ہے۔ اگر مسلمان اس ملک میں صرف بائیس فیصد ہیں تو دوسری قومیں بھی اکثریت کا دعوی نہیں کر سکتیں۔ اب جو لوگ اس ملک پر گزشتہ پچاس سالوں سے حکومت کرتے رہے ہیں ان کی عددی قوت کا بھی اندازہ لگائیے۔ برہمن مجموعی آبادی کے سات فیصد سے زیادہ نہیں۔ اسی طرح اونچی ذات کی دوسری برادریوں کی علیحدہ رائے شماری انہیں قلیل اقلیت میں تبدیل کئے دیتی ہے۔ رہی نیچی ذات کی قومیں تو یہ بھی اپنی اپنی بنیادوں پر غیر مشروط اکثریت ثابت کرنے میں ناکام ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو آج بھی دوسری تمام قوموں کے مقابلے میں مسلمان ایک عظیم الشان عددی قوت ہیں پھر بھلا انہیں اقلیت کے خوف میں مبتلا کئے دینے کے پیچھے اس کے علاوہ اور کیا عوامل ہو سکتے ہیں کہ ان کے عزائم کا کس بل نکال دیا جائے اور اس طرح ایک عظیم الشان نظریاتی گروہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملک کے معاملات سے بے دخل کر کے ایک بے بس زندگی جینے پر مجبور کر دیا جائے۔

گزشتہ پچاس سالوں کے سیاسی تجربے کے بعد آج ہندوستانی مسلمانوں پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو چکی ہے کہ موجودہ سیاسی نظام میں ان کے جائز سیاسی حقوق کا تحفظ ممکن نہیں۔ فی زمانہ جب ہر سیاسی پارٹی کا مکروہ مسلم دشمن چہرہ کھل کر سامنے آچکا ہے، جب ہر مشرک سیاسی قیادت کے ہاتھ مسلم خون سے رنگین ہیں، جب بلا استثنیٰ ہر سیاسی پارٹی کا منافقانہ رویہ پوری طرح بے نقاب ہو چکا ہے، جمہور امت کا یہ احساس ہے کہ کوئی بھی قومی سیاسی پارٹی ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مخلص نہیں ہے اس سنگین صورت حال میں یہ احساس شدت سے سر اٹھانے لگا ہے کہ

سیاست کی موجودہ اندھیری گلی سے نکلنے کی کوئی راہ دریافت کی جائے۔

یہ احساس بھی عام ہے کہ موجودہ سیاسی نظام میں مسلمانوں کے واقعی نمائندوں کے لئے پارلیامنٹ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ رہے سیاسی پارٹیوں کے ذریعہ نامزد کردہ مسلمان تو ان کی حیثیت ہمیشہ اکثریتی فرقے کے نامزد کردہ زرخرید غلام کی ہوتی ہے جو اپنا اولین فریضہ اپنے سیاسی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کو قرار دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اکثریت کے ذریعہ نامزد کردہ لوگ مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ادا نہیں کرسکتے۔ یہ اپنے مسلم نام کے باوجود دراصل اکثریتی فرقے کے نمائندے ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ہندوستانی سیاست میں واقعی مسلم نمائندگی کے دروازے کھولے جائیں اور مسلمانوں کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنے حقیقی نمائندے ہندوستانی پارلیامنٹ اور مختلف ریاستی اسمبلیوں میں بھیج سکیں اور یہ جبھی ممکن ہے جب مخلوط طریقہ انتخاب کو ختم کرکے متناسب نمائندگی کی بنیاد پر جداگانہ انتخاب کا طریقہ عمل میں لایا جائے۔ جہاں ہر مذہبی، ثقافتی اور نظریاتی گروہ کو اپنی آرزوؤں کے مطابق اس ملک کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ ادا کرنے کا موقع مل سکے۔

سیاسی انصاف کے قیام کے لئے متناسب نمائندگی کو تسلیم کرلینا پہلا مرحلہ ہوگا۔ جو لوگ قوموں کی تاریخ سے واقف ہیں اور جو حالات کے جبر اور تاریخ کی قوتوں کا ادراک رکھتے ہیں انہیں یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ کوئی بھی قوم زیادہ دنوں تک جبر اور ظلم کے سہارے مجبور اور بے بس بناکر نہیں رکھی جاسکتی۔ اور اگر انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے پرامن تبدیلی کے راستے نہیں کھولے جاتے تو یہ تبدیلی تشدد اور توڑ پھوڑ کے راستے سے آتی ہے۔ تاریخ کا یہ ایسا جبر ہے جسے دنیا کی کوئی قوت ٹال نہیں سکتی۔ وطن عزیز کو کسی خانہ جنگی سے بچانے اور ایک پرامن مستقبل میں داخل کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہم انصاف کے بنیادی اصولوں کا پاس رکھتے ہوئے پرامن تبدیلی کے لئے جلد از جلد راستے ہموار کریں

گذشتہ دس برسوں میں فسطائیت نے جس تیزی سے سر ابھارا ہے اور ہندو احیاء پرستی قدیم ہندو ثقافت کے فروغ کے لئے جس طرح کوشاں رہی ہے اس سے اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ اس ملک میں مستقبل بعید میں بھی ایک خالص سیکولر معاشرے کا قیام غیر حقیقت پسندانہ خیال ہے۔ پھر ہندو احیاء پرستی جس شدت کے ساتھ مسلم ثقافت سے برسرپیکار ہے اور تمام مسلم ثقافتی اور مذہبی علامتوں کو یکسر ختم کردینے کے درپے ہے اس سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ آنے والے دنوں میں ہندو احیاء پرستی مسلم ثقافتی طریقہ اظہار سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنا چاہتی ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آنے والے دنوں میں ایک تباہ کن خانہ جنگی اس ملک کے مقدر میں ہے۔ ہندو احیاء پرستی اس ملک کو مسلسل ایک خون آشام طوفان کی طرف دھکیل رہی ہے۔ ایسی صورت میں مختلف تہذیبوں اور مذاہب کو پرامن زندگی کی ضمانت دینے کے لئے لازم ہے کہ ایک ایسے ہندوستان کا خاکہ ترتیب دیا جائے جس میں آزادانہ اور منصفانہ طور پر تمام مذہبی گروہ کو پرامن زندگی کی ضمانت ملتی ہو۔ اور ایسا جبھی ممکن ہے جب عظیم جمہوری ہندوستان کو مختلف ثقافت کے وفاقی گہوارے میں تبدیل کردیا جائے۔ اس طرح ایک سو بائیس چھوٹے چھوٹے تہذیبی وفاق کا ہندوستان امن و آشتی کی ایسی نظیر قائم کرے گا جس میں تمام مذہبی اور ثقافتی گروہ مشترکہ احساس کے تحت ملک کی ترقی کے لئے کام

کر سکیں گے گو کہ یہ تمام وفاقی ریاستیں اپنے اپنے معاملات میں کلی طور پر آزاد ہوں گی البتہ دفاع اور خارجہ پالیسی کے امور مرکز کے زیر نگراں ہوں گے۔

سابقہ تلخ سیاسی تجربات اور حالات کے جبر کے تحت آج کے ہندوستانی مسلمان اپنا فریضہ سمجھتے ہیں کہ اس ملک کو خانہ جنگی اور ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کے لئے متناسب نمائندگی اور ثقافتی وفاق کی تجویز پیش کر کے اس ملک کے نئے معماروں کی صف اول میں اپنے آپ کو شامل کرنے کا فخر حاصل کر سکیں۔

نئی سیاسی تجاویز کے محرکات:

اگر حکومت کی مردم شماری کے اعداد و شمار کو ہی صحیح تسلیم کر لیا جائے جب بھی اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی بارہ فیصد سے کم نہیں ہے جس کے مطابق لوک سبھا کی ۵۴۵ نشستوں میں ان کا حصہ ۶۲ نشستیں قرار پاتی ہیں جب کہ اب تک مسلمان کہلائے جانے والے پارلیمانی اراکین کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۴۸ تک پہنچی ہے یعنی ۸۰۸ فیصد۔ یہ بھی ایک استثنائی تعداد ہے جو صرف ۱۹۷۹ء میں دیکھنے کو ملی۔ گویا خود حکومت کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کو ہمیشہ اپنی تعداد سے بہت کم نمائندگی ملی ہے۔ بلکہ بعض جگہوں پر ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری کی پوری ریاستی اسمبلی مسلمانوں کے وجود سے محروم رہی ہے۔ مدھیہ پردیش کی موجودہ اسمبلی اس قبیل کی بہترین مثال ہے۔

اب اگر یہ حقیقت ہے کہ موجودہ سیاسی نظام میں سیاسی پارٹیوں کے پسندیدہ مسلمان بھی مسلم تناسب کے اعتبار سے نشستیں حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں تو بھلا اس نظام کو مزید جاری رہنے کے لئے کیا اخلاقی جواز ہے۔ سیاسی انصاف کا قیام دستور کی تمہید میں کیا گیا ایک وعدہ ہے۔ پھر ایک ایسے نظام سے جو سیاسی انصاف کی کھلی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہو ایک ایسے غیر دستوری عمل کو جاری رکھنے کے لئے کوئی موثر دلیل نہیں لائی جا سکتی۔ لہذا ایک نئے سیاسی متبادل کی تلاش کا کام وقت کی اہم ضرورت ہے۔

حقیقی مسلم نمائندوں کی ضرورت:

مابعد انہدام ہندوستان میں یہ احساس بھی عام ہے کہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے نامزد کردہ مسلم اراکین پارلیامنٹ یا مسلم وزراء مسلمانوں کی حقیقی نمائندگی کا دعوی نہیں کر سکتے۔ یہ دراصل اپنی پارٹیوں کے نمائندہ ہوتے ہیں جن کا بنیادی کام متعلقہ پارٹیوں کے مفاد کی حفاظت کرنی ہوتی ہے اور ان سے ایک سیکولر جمہوری ڈھانچے میں یہی توقع بھی کی جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مرکز میں مسلم وزراء کی موجودگی کے باوجود دن کی روشنی میں غیر قانونی اور غیر آئینی طور پر بابری مسجد منہدم کی جاتی رہی اور پارٹی کے مفاد کو اولیت دینے والے مسلم وزراء انتہائی خاموشی سے یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ اب اگر مسلم وزراء کی موجودگی اور پارلیامنٹ میں مسلم اراکین کی چلت پھرت کے باوجود مسلمانوں کی مذہبی علامات محفوظ نہ رہ پائیں تو پھر ایسی مسلم نمائندگی کا حاصل ہی کیا۔ ان واقعات نے دراصل یہ ثابت کیا ہے کہ موجودہ مسلم نمائندگی درحقیقت اکثریتی فرقے کی نامزد کردہ نمائندگی ہے جسے مسلمانوں سے کہیں زیادہ اکثریتی فرقے کے عزائم کی پاسداری مقصود ہے۔ حقیقی مسلم نمائندگی جداگانہ طریقہ انتخاب کے بغیر ممکن نہیں۔

جغرافیائی حقائق:

تقریبا پچاسی فیصد ہندوستانی مسلمان جو ملک کے نو صوبوں میں آباد ہیں۔ وہ ہیں یوپی، مغربی بنگال، بہار، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک، کیرالہ، آسام اور جموں و کشمیر ان صوبوں میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مسلمانوں کی آبادی کچھ اس طرح ہے:

نام ریاست ریاست میں مسلم آبادی کا تناسب ملک کی مجموعی آبادی کا تناسب

اترپردیش ۲۲،۲۱۵،۵

مغربی بنگال ۱۴،۷۲۱،۵

بہار ۱۲،۵۱۴،۱

مہاراشٹر ۷،۳۹،۳

کیرالہ ۶،۸۲۱،۳

آندھرا پردیش ۵،۷۸،۵

آسام ۵،۶۲۶

کرناٹک ۵،۱۱۱،۱

جموں و کشمیر ۴،۸۶۴،۲

دیگر بشمول لکشدیپ ــ ۱۵،۸۳

۱۰۰۔

گویا جغرافیائی طور پر منتشر ہونے کے باوجود ملک کی نو ریاستوں میں مسلم آبادی کا ارتکاز کچھ اس طرح ہے کہ نئے ہندوستان کے بین الملی ثقافتی وفاق میں واضح طور پر مختلف علاقوں میں مسلم ثقافتی وفاق کے لئے گنجائش پیدا ہو سکتی ہے۔ رہی جداگانہ طریقہ انتخاب کو رائج کرنے کی بات تو سیاسی انصاف کے اس پہلے مرحلے میں بھی ان نو ریاستوں میں حقیقی مسلم نمائندوں کا عمل دخل بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی محرومی کے ازالے کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ محض سیاسی ترتیب و تشکیل کا مسئلہ ہے ورنہ عددی قوت بذات خود کسی قوم کی سیاسی برتری کا فیصلہ نہیں کرتے۔ ورنہ آخر کیا وجہ ہے کہ کیرالہ اور مغربی بنگال میں مسلم آبادی کا تناسب تقریبا یکساں ہے لیکن کیرالہ میں جہاں مسلمان اپنی بنیادوں پر منظم ہونے کی وجہ سے ایک مؤثر سیاسی قوت ہونے کا احساس دلاتے ہیں وہیں مغربی بنگال میں سیاسی پارٹیوں کے حاشیہ نشیں بن جانے کی وجہ سے وہ صوبائی سیاست میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے اب اگر اتنی بڑی عددی قوت کے ساتھ دانش مندانہ سیاسی حکمت عملی بھی بروئے کار لائی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک کے معاملات میں مسلمانوں کو فیصلہ کن سیاسی اہمیت حاصل نہ ہو سکے۔ اس کے برعکس اگر موجودہ سیاسی نظام کے اندر ہی مراعات تلاش کرنے کی روایت برقرار رکھی گئی تو آنے والے دنوں میں سیاسی ناانصافی کی اذیتوں سے پریشان ہو کر اس ملک کے مقہور و مجبور عوام ان راستوں کی طرف جا نکلیں گے جس میں باشندگان ملک کی بھی تباہی ہے اور خود اس ملک کی بھی۔

مذکورہ اعداد و شمار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ موجودہ سیاسی نظام میں مسلمانوں کے لئے منصفانہ سیاسی عمل دخل کا راستہ مسدود ہے۔ صورت حال اتنی سنگین ہے کہ ہندوؤں کے ذریعہ نامزد کردہ کامیاب مسلم امیدواروں کی تعداد بھی مسلسل کم ہو رہی ہے۔ جب کہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ حلقہ انتخاب کے غیر منصفانہ تعین کے باوجود آج بھی تقریباً ۸۲ لوک سبھا حلقوں میں مسلمان ایک فیصلہ کن تعداد میں آباد ہیں۔ خود سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ملک کے اندر کم از کم ستر اضلاع ایسے موجود ہیں جن میں مسلمانوں کی آبادی تین لاکھ سے زائد ہے۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مسلم آبادی کو ذات پات کی بنیادوں پر تقسیم کرنے کے باوجود آج بھی مسلم آبادی کے حلقوں میں مسلم ووٹوں کا واضح ارتکاز موجود ہے۔ اب اگر مسلم آبادی کے ارتکاز کے پیش نظر پہلے مرحلے میں ان نو صوبوں سے جداگانہ انتخاب کا آغاز کیا جائے تو لوک سبھا کی سو سے زائد نشستیں مسلم نمائندگی کے حصے میں آئیں گی جو خود اتنی بڑی تعداد ہے جو اکثریت اور اقلیت کے سارے تصورات کو تہ و بالا کرنے کے لئے کافی ہے۔

انتخابات کا موجودہ منظر نامہ:

موجودہ سیاسی نظام میں واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے کوئی متبادل نہیں ہے۔ ان نو ریاستوں میں جہاں مسلمانوں کی پچاسی فیصد آبادی رہتی ہے درج ذیل سیاسی پارٹیوں کو اثر حاصل ہے۔

جنتا دل، بی جے پی، شیو سینا، کانگریس آئی، سی پی آئی ایم (لیفٹ فرنٹ) سماج وادی پارٹی، سماج وادی جنتا پارٹی، جنتا پارٹی، سی پی آئی، انڈین یونین مسلم لیگ، تلگو دیشم، مجلس اتحاد المسلمین، آسام گن پریشد۔

جہاں تک مرکز کی حکمرانی کا سوال ہے تو اس کے لئے تین پارٹیاں اپنا حق ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ کانگریس آئی، بی جے پی اور قومی مدرچہ بائیں مورچہ کا مجوزہ محاذ۔ مسلم لیگ جو کیرالا کی سطح تک مؤثر قوت سمجھی جاتی تھی اب انتشار کا شکار ہے اور کچھ اسی عمل سے مجلس اتحاد المسلمین بھی دوچار ہے۔ قومی سطح کی پارٹیوں میں مسلمانوں کو گویا ان تین سیاسی محاذ کے درمیان ہی کسی ایک کو معتبر ٹھہرانا ہے۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان ان تینوں سیاسی محاذ کو اپنا دشمن تصور کرتے ہیں۔ کانگریس کو بابری مسجد کے انہدام اور مسلمانوں کی موجودہ پستی کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے تو بی جے پی واضح طور پر مسلم دشمن رویے کے ساتھ میدان میں آئی ہے۔ جنتا دل، سماجوادی جنتا پارٹی اور بائیں بازو کی قوتیں بھی اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں کو صرف وعدوں کا سبز باغ دکھاتی آئی ہیں جب کہ متعلقہ ریاستوں میں ان کی حکومتیں مسلم ووٹوں کی بنیاد پر ہی وجود میں آئی تھیں۔ ان تین منافقوں میں کسی ایک کا انتخاب مسلمانوں کی سیاسی مجبوری تو قرار دی جا سکتی ہے لیکن اسے ان کا پسندیدہ سیاسی فیصلہ باور نہیں کرایا جا سکتا۔ مسلمانوں میں گزشتہ چند برسوں میں یہ احساس بھی عام ہوا ہے کہ سبھی سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے انداز سے مسلمانوں کا سیاسی استحصال کرنا چاہتی ہیں۔ اور اس نکتے پر تو سبھی متفق ہیں کہ اس ملک میں کسی مسلم سیاسی قوت کے احیاء کا راستہ روک کے رکھا جائے۔ رہے خوش کن بیانات اور سبز باغ دکھانے کا سلسلہ تو اس کا انتظام تقریباً سبھی بڑی پارٹیوں نے کم و بیش کر رکھا ہے۔ کانگریس آئی اگر پانچ سو کروڑ روپیوں کی تھیلی دکھاتی ہے تو بی جے پی نے بھی اماموں کی تنخواہوں میں اضافے اور

شیروانیوں کی تیاری کا کام شروع کر دیا ہے۔ رہی جنتا دل یا بائیں بازو کی قوتیں تو مسلمانوں کو مسحور کر دینے والی گرما گرم تقریروں کا یہاں بھی وافر انتظام ہے۔ البتہ اگر مسلمانوں کے تئیں ان تمام پارٹیوں کے عملی رویے کا جائزہ لیا جائے تو سخت مایوسی ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں کو مختلف قصائیوں میں سے ایک قصائی کا انتخاب کرنا ہے۔ اب ایک ایسی صورت حال میں یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ جب ووٹ دینے سے سیاسی غلامی کے سائے مزید گہرے ہوتے جاتے ہیں اور جب کسی پارٹی کو ووٹ دینے سے مسلمانوں کا کچھ بھی بھلا نہیں ہوتا تو آخر ووٹ دیا ہی کیوں جائے ؟ اگر مسلمانوں کے پارلیامنٹ میں موجود ہونے یا وزارت کی کرسیوں پر براجمان رہنے سے امت مسلمہ کو ذرہ برابر بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو ان نمائندوں کو پارلیامنٹ میں رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

بعض لوگ اس احساس فکر کو ہو سکتا ہے ایک منفی رویہ کا نام دیں اور بعض لوگ شاید یہ بھی کہیں کہ اس طرح مسلمانوں کی سیاسی نمائندگی صفر ہو جائے گی لیکن جو لوگ اس اندیشے کا اظہار کرتے ہیں ان کی آنکھیں ان حقائق کو کیوں نہیں دیکھ پاتیں کہ فی الواقعہ آج بھی پارلیامنٹ میں امت مسلمہ کی کوئی نمائندگی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے سے نام رکھنے والے اراکین پارلیامنٹ مسلمانوں کی نہیں بلکہ ان مشرک آقاؤں کے عزائم کی نمائندگی کرتے ہیں جن کے قلم کی نامزدگی سے ان بے چاروں پر پارلیامنٹ کے دروازے کھلتے ہیں۔ اس لئے یہ مفروضہ ہی باطل ہے کہ فی زمانہ ہندوستانی پارلیامنٹ میں مسلمانوں کی کوئی نمائندگی موجود ہے۔ سوائے اس استثنیٰ کے جو مسلم لیگ یا اتحاد المسلمین یا کسی آزاد رکن کی شکل میں دو تین آوازیں کبھی کبھی اس پارلیمنٹ میں اٹھتی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن موجودہ سیاسی نظام کے تحت یہ آوازیں اتنی کمزور ہیں کہ انہیں بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہندوستانی سیاست کی اس اندھی گلی میں جہاں امت مسلمہ پر سارے دروازے بند کر دئے گئے ہیں جہاں امت کے حقیقی نمائندوں کا پارلیامنٹ میں داخلہ ناممکن ہے۔ جہاں ملکی معاملات اور پالیسی امور میں امت مسلمہ کا عمل دخل عملی طور پر ختم کر دیا گیا ہے جہاں سیاست کے نئے میزانیے میں اونچی ذات کے ہندوؤں کے تسلط کے بعد اب نیچی ذات کے ہندو اسے اپنا دست نگر بنانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور جہاں مسلم قائدین کے نزدیک امت مسلمہ کو ایک مشرک سیاسی قیادت کی تابعداری سے نکال کر دوسری مشرک سیاسی قیادت کی اتباع میں ڈال دینا سیاسی حکمت عملی کا نام قرار پایا ہے اور جہاں پوری امت یہ بھول چکی ہے کہ اس کا کام ملک کی سیادت کا فریضہ انجام دینا ہے اور یہ کہ مشرکین کا دست نگر بن کر رہنا خدا کے آخری رسول کی امت کے لئے باعث شرم ہے۔ ایک ایسے اجنبی ماحول میں ایک نئے سیاسی رویے کی تشکیل کا کام انتہائی ضروری ہو گیا ہے۔